© rasailojaraid.com

ابو انس محمد یحییٰ گوندلوی
شارح ترمذی، ابن ماجہ وشمائل ترمذی

الجزء المفقود یا الجزء المصنوع

الجزء المفقود مصنف عبدالرزاق کے نام سے طبع ہونے والی من گھڑت کتاب کی کہانی

اسلام کی خالص اور فطری تعلیم میں جب سے تصوف کے نام سے عقائد باطلہ کو شامل کیا جانے لگا ہے اسی وقت سے ہی بدعتی حضرات کی کوشش جاری ہے کہ قرآن وحدیث صحیح پر مبنی عقائد میں تخلیط پیدا کر کے انہیں مشکوک بنا دیا جائے تا کہ اسلامی عقائد اپنی اصلیت پر قائم نہ رہیں ان عقائد باطلہ میں سے ایک عقیدہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی ہے اور آپ مبدأ اور منبع مخلوقات ہیں'' یہ عقیدہ چونکہ صریحاً قرآن کریم کے متعدد نصوص اور احادیث متواترہ جن میں انبیاء کے عموماً اور رسول اللہ ﷺ کے خصوصاً بشر ہونے کی تصریح کی گئی ہے کے خلاف ہونے کی بنا پر اختراعی اور افترائی ہے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ مبدأ خلق اور نور سے پیدا ہوئے ہیں ان زرین ادوار کے بعد واقدی، کلبی اور عبدالرحمان بن زید جیسے مشہور کذابوں نے اس عقیدہ کو رواج دینے کی کوشش کی کہ اللہ کے نبی نور ہیں۔

دراصل یہ عقیدہ تو عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں پھر ان سے یہ عقیدہ شیعہ حضرات نے چرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔ (الاصول فی الکافی ص ۳۸۹ ج۱)

تصوف کی بنیاد شیعیت پر ہے اور انہی حضرات نے تصوف کے ذریعے اس عقیدہ کو اہل سنت میں داخل کیا ہے جس وجہ سے یہ باطل عقیدہ صوفیہ حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے لیکن ائمہ اہل سنت نے اس عقیدہ کو ہر دور میں باطل قرار دیا ہے چونکہ اہل بدعت کے پاس اس عقیدہ پر دلیل نہ تھی اور بظاہر قرآن وحدیث کے متصادم بھی ہے اس لئے اس پر اہل بدعت کو دلیل پیش کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی پھر کیا تھا ایک دوڑ شروع ہوگئی لیکن دلیل لاتے کہاں سے آخر انہوں نے ''اول ما خلق اللہ نوری'' جیسی روایت وضع کر کے بزعمہم دلیل کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی چند متاخرین سیرت نگار حضرات نے اس من گھڑت روایت کا انتساب امام عبدالرزاق صنعانی کی طرف کر دیا اس لئے کہ ان کی کتاب ''المصنف'' جو اہل علم کے ایک مخصوص حلقہ میں معروف اور متداول تھی لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے عام حضرات کی دسترس سے باہر تھی کہ وہ اس میں ان کی مذکورہ من گھڑت روایت کی تحقیق کر لیتے کمال یہ ہے کہ اصحاب سیر میں سے جس نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کیا بغیر سند کے ذکر کیا جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان اصحاب سیر نے یہ روایت خود المصنف میں نہیں دیکھی تھی بلکہ نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

۱۹۷۰ء میں ایک دیوبندی محقق اعظمی کی تحقیق سے المصنف پہلی دفعہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو اس سے اہل بدعت کی کارستانی کھل گئی کہ المصنف میں تو مذکورہ روایت موجود ہی نہیں اب تو ہماری بات نہیں چلتی کہ ہم کہتے ہیں المصنف میں یہ حدیث ہے تو مخالف حوالہ کا مطالبہ کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کا تردد اور پریشانی بڑھ جاتی ہے غالباً ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۷ء کی بات ہے راقم الحروف ان دنوں جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ میں مدرس تھا تو وہاں نور وبشر کی بحث چل نکلی بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم (جواب بھی بقید حیات ہیں) نے اس روایت کو مصنف کے حوالہ سے پیش کیا تو راقم نے ان سے حوالہ کا تقاضا کیا تو وہ فرمانے لگے میرے پاس کتاب موجود نہیں تو میں نے المصنف کا پورا سیٹ موصوف کے گھر پہنچا دیا چند دنوں بعد انہوں نے یہ کہہ کر المصنف واپس کر دی کہ اس سے وہابیوں نے روایت نکال دی ہے۔ کیا ہی خوب جواب تھا کہ وہابیوں نے تو اسے طبع ہی نہیں کیا تو انہوں نے کس طرح اس سے یہ روایت نکال دی۔؟

الجزء المفقود کی دستیابی کی کہانی

تاہم اہل بدعت اس من گھڑت روایت کے وجود کو ثابت کرنے کی تگ و دو میں رہے بالآخر ۲۰۰۵ء میں ''الجزء المفقود من المصنف'' کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی جس میں اس روایت کو امام عبدالرزاق کی سند سے جناب جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت کر دکھایا۔

راقم الحروف کے سامنے الجزء المفقود طبع ثانیہ کا نسخہ ہے جو موسسۃ الاشرف لاہور کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے اس کے مقدمہ میں اس جزء کی دستیابی کی کہانی کچھ یوں مرقوم ہے جسے ہم خلاصۃً بیان کرتے ہیں اس جزء کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں۔ مصنف کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ ناقص ہے اس میں دس باب ساقط ہوگئے ہیں بلاد اسلام کے مختلف علاقوں میں جہاں اس کے وجود کا احتمال تھا اس کی دستیابی کی کوشش کی گئی مگر یہ کوشش ناکام رہی کہ اس کامل نسخہ کا وجود نہ مل سکا۔ بالآخر ہندوستان کے ایک عالم سید محمد امین برکاتی قادری سے دستیاب ہوگیا (مقدمہ ب) اس مفقود کے محقق کوئی ڈاکٹر عیسی الحمیری ہیں جو خالص صوفی المشرب معلوم ہوتے ہیں وہ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ حدیث جابر (اول ما خلق اللہ نوری) کی صحت کے بارہ میں بڑا اختلاف پیدا ہوا ہے جسے اہل سیر نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اس کا انتساب سند ذکر کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر مصنف عبدالرزاق کی طرف کیا ہے ہمارے شیخ غماری اور عمر حمدان نے اس کی دستیابی کی کوشش کی اور اس کے لئے یمن جانے کا قصد کیا تا کہ وہاں جو مصنف کا مخطوطہ ہے اس کا سماع کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا لیکن تلاش کرنے والوں نے شمال یمن کی جانب سفر میں اپنی کوشش جاری رکھی کہ اس کا کامل اور نادر نسخہ تلاش کیا جا سکے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے پھر استنبول (ترکی) کے مختلف مکاتب میں اس نسخہ کی تحقیق کی انہوں نے بہت سے نسخے دیکھے مگر (پھر بھی ناکامی مقدر رہی) بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان نسخوں میں اول اور وسط حصوں میں نقص ہے جیسا کہ مطبوعہ نسخہ میں نقص ہے میں اس نسخہ کی تلاش میں رہا حتی کہ ہمیں اس نادر نسخہ کا جزء اول اور جزء ثانی ہندوستان کے ایک نیک عالم سید امین برکاتی کے ہاتھ سے دستیاب ہو گیا۔ (ص۷)

یہ ہے اس نسخہ کی دستیابی کی کہانی کہ اس نادر اور کامل نسخہ کا وجود عالم اسلام کے تمام معروف مکاتب اور کتب خانوں میں سے نہیں مل سکا جو اسلامی وراثت کے مخزن اور امین ہیں آخر ملا ہے تو وہ بھی ہندوستان کے ایک صوفی صاحب سے جن کے مقام سکونت کو مجہول رکھا گیا ہے تا کہ کوئی تحقیق کرنے والا اس صوفی کے دولت کدہ میں پہنچ کر تحقیق نہ کر سکے۔ اس محقق کی نظر میں ہندوستان تو چھوٹا سا گاؤں معلوم ہوتا ہے کہ بس ہندوستان کا نام لے لیا تو موصوف صوفی صاحب کا ایڈریس معلوم ہو گیا آخر صوفی برکاتی صاحب کے ایڈریس کو پردہ اخفاء میں رکھنے میں کوئی راز تو ہو گا۔

مخطوطہ کا وصف

علم حدیث کی رو سے جب تک کسی مخطوطہ کے بارہ میں تسلی بخش معلومات حاصل نہ ہوں قابل قبول نہیں ہوتا یہ بات محقق صاحب کے دل میں کھٹکتی ہو گی اس لئے انہوں نے اپنے مقدمہ میں اس مخطوطہ کا وصف بیان کیا ہے موصوف لکھتے ہیں اس مخطوطہ کو اسحاق بن عبدالرحمان سلیمانی نے تحریر کیا ہے جیسا کہ نسخہ کے آخر میں ہے۔

قد انتهى من نسخه يوم الاثنين التاسع من شهر رمضان الميمون سنة ثلاث و ثلاثين و تسعمائة من هجرة سيد المرسلين ﷺ ببغداد (ص ١٠)

''اس نسخہ کی کتابت کی تکمیل سوموار کے روز نو رمضان ۹۳۳ھ کو بغداد میں ہوئی۔''

ایرادات

محقق کی عبارت پر چند ایرادات ہیں

اولاً! ضروری ہے کہ ناسخ کا تعارف معلوم ہو اس کی علمی حیثیت کیا ہے وہ ثقہ تھا یا غیر ثقہ

ثانیاً! ناسخ نے اپنے مخطوطہ کو کس مخطوطہ سے لکھا ہے

ثالثاً! ناسخ سے لیکر امام عبدالرزاق تک سند موجود ہو۔

رابعاً! جس جگہ سے مخطوطہ دستیاب ہے وہاں تک مخطوطہ کیسے پہنچا اس کے بارہ میں پوری تفصیل موجود ہو ورنہ یہ مخطوطہ من گھڑت اور جعلی قرار پاتا ہے۔

تبصرہ

اس جزء پر ان تمام ایرادات کے جواب دینا ناممکن ہی بلکہ محال ہے اولاً! تو جناب سلیمانی کا کوئی تعارف نہیں دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجہول ہے لہٰذا ساقط العدالت اور قابل قبول نہیں اس لئے کہ مجہول کی روایت قابل قبول نہیں (مقدمہ ابن الصلاح) ثانیاً! یہ بھی کوئی تفصیل نہیں کہ دسویں صدی ہجری میں لکھا جانے والا نسخہ کس نسخہ کی نقل ہے اور جس نسخہ کی یہ نقل ہے اس کا ناقل کون ہے یہ سب باتیں مجہول ہیں۔ ثالثاً! سلیمانی سے لیکر امام عبدالرزاق تک کوئی سند موجود نہیں نسخے کا آغاز ہی عبدالرزاق سے ہوا۔

حالانکہ امام عبدالرزاق اور سلیمانی تک سات صدیوں سے زیادہ فاصلہ حائل ہے جس کے طے کرنے میں سواریوں کی گردنیں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن وہ طے نہیں ہو سکتا محدثین کے نزدیک جس سند میں صرف ایک راوی بھی ساقط ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی سلیمانی سے لیکر امام عبدالرزاق تک ہو سکتا ہے بیس سے بھی زائد واسطے منقطع ہوئے ہوں۔ لہٰذا اس مفقود جزء کے باطل ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا یہ تو اس نام نہاد جزء مفقود کے باطل ہونے کی چند ظاہری علامتیں تھیں۔

جزء کے من گھڑت ہونے پر جزء کی شہادت

معلوم ہوتا ہے کہ اس جزء کے محقق کو بھی اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین نہیں ہے اس لئے کہ خود لکھتے ہیں ''مخطوطہ کی تحقیق کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے کہ جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس پر کسی قسم کے سماع نہیں ہیں جو نسخہ کاملہ ہے میرے اختیار میں اس میں صرف اول اور ثانی جلد ہے میں حکم کو اس کے قاری اور خواص حضرات پر چھوڑتا ہوا اور اس جزء کو قراء کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ (ص۱۵ ملخصاً)

اگر محقق کو اس نسخہ کے اصل ہونے کا یقین ہوتا تو فیصلہ قراء اور خواص پر نہ چھوڑتے بلکہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہتے کہ یہ مخطوطہ اصل ہے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ محقق نے فیصلہ چونکہ اس کے قراء پر چھوڑا ہے لہٰذا راقم الحروف بحیثیت اس مخطوطہ کے جو طبع ہو کر میرے ہاتھ میں پہنچا ہے قاری ہونے کے ناطہ سے اس مخطوطہ کی اندرونی کہانی یعنی امام عبدالرزاق سے لیکر صحابی رسول تک سند اور پھر اس کے بعض متون پر بحث کا جو محقق نے حق سونپا ہے اس کے مطابق اس مخطوطہ کے مالہ وما علیہ پر ناقدانہ تبصرہ کرتا ہے وباللہ التوفیق۔

اصل بحث سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ علم حدیث کا تمام تر مدار سند پر ہے اگر کسی حدیث کی سند درست نہیں تو پھر یقین کر لینا چاہئے کہ وہ حدیث ثابت نہیں یہ اسلامی علمی ورثہ کا امتیاز ہے جو دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ (تفصیل راقم الحروف کی کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصائل محمدی شرح شمائل ترمذی حدیث نمبر ۱۴۱ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

آغاز ہی غلط ہے

مخطوطہ کے پہلے صفحہ کی مطبوع نسخہ میں تصویر دی گئی ہے اس کی ابتدا ایسے ہے عبدالرزاق عن معمر عن الزھری عن السائب بن زید (ص ۱۸) اس سند کے مطابق یہ نسخہ ہی مجہول قرار پاتا ہے۔ کیونکہ سائب بن زید نام کا کوئی صحابی نہیں ہے بلکہ یہ نام اختراعی ہے اس محقق کے لئے یہ نام پریشانی کا باعث بنا تھا لہٰذا جب اصل کتاب کا آغاز کیا تو یہ نام ہی بدل دیا سائب بن زید کے بجائے یزید کر دیا اور اس پر حاشیہ لکھا کہ مخطوطہ میں زید ہے اور درست یزید ہے (ص ۵۲) گویا کہ انہوں نے آغاز ہی تحریف سے کیا اب زید غلط اور یزید کے درست ہونے کے لئے کسی مستند دلیل کی ضرورت تھی جو محقق نے ذکر نہیں کی بلکہ بلا دلیل زید کو یزید بنا دیا اب اگر زید غلط تھا تو اس کی تصحیح کے لئے جو اصول ہے اس کے مطابق تصحیح کرنی چاہئے تھی وہ یہ تھا کہ ہمارے پاس جو مخطوطہ ہے اس میں کاتب کی تصحیف ہے اس کے فلاں مخطوطہ میں سائب بن یزید ہے لیکن کس مخطوطہ سے تصحیح کرتے جبکہ دنیا میں اس کا تو ایک ہی مخطوطہ ہے جو صرف ان کے پاس ہے اگر وہ کسی دوسرے مخطوطہ کا حوالہ دیتے تو ان کی چوری پکڑی جاتی اور ان کا مشن ہی ادھورا رہ جاتا ثانیاً اگر کوئی دوسرا مخطوطہ پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں روایت جو اس مخطوطہ میں ہے اس کی تخریج کسی دوسری حدیث کی معتبر کتاب سے کر دی جاتی اور واضح کیا جاتا کہ فلاں کتاب میں یہ روایت اسی سند سے ہے لیکن اس میں زید کے بجائے یزید ہے لیکن چونکہ یہ روایت خود گھڑی ہوئی ہے جس کا حدیث کی کسی کتاب میں پایا جانا محال ہے تو وہ تخریج کس کتاب سے کرتے بہر حال اس مخطوطہ کی پہلی حدیث کی سند ہی اس کے باطل ہونے کی شاہد عدل ہے ثالثاً اگر کہا جائے کہ یہ ناسخ کی تصحیف ہے تو تب بھی یہ روایت غیر معتبر ٹھہرتی ہے جس سے پہلی سند میں تصحیف ہوئی ہے متن میں کیا گل کھلائے ہونگے؟ فتدبر۔

مخطوطہ کے نسخ کے لئے اصول حدیث میں چند شرائط اور قیود ہیں جو حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ فی علوم الحدیث میں ذکر کی ہیں ان میں تیسری شرط یہ ذکر کی ہے فرماتے ہیں۔

ولا بد من شرط ثالث وهو ان يكون ناقل النسخة من الاصل غير سقيم النقل بل صحيح النقل قليل السقط. (مقدمه ۹۳) اگر تصحیف مانی جائے تو تب بھی یہ مخطوطہ اس اصول کے تحت غیر صحیح قرار پاتا ہے اس لئے کہ اس نسخے کا آغاز ہی ایک عظیم خطاً سے ہوا ہے۔ جو واضح کرتا ہے کہ ناسخ صحیح النقل نہیں ہے

مخطوطہ کے من گھڑت ہونے کی دوسری دلیل

کسی مخطوطہ یا روایت کے من گھڑت ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کوئی راوی اس شیخ سے سماع اور تحدیث کی صراحت کے ساتھ روایت کرے جو اس کی ولادت سے پہلے یا سن تحمل سے پہلے فوت ہو گیا ہو امام حسان بن زید فرماتے ہیں۔

لم يستعن على الكذابين بمثل التاريخ يقال للشيخ سنة كم ولدت فاذا اقر بمولده مع معرفتنا الوفاة الذى انتمى اليه عرفنا صدقه من كذبه. (الاعلان بالتوبيخ ص ۹)

"کذاب لوگوں کی حقیقت جاننے کے لئے تاریخ سے بہتر کوئی معاون نہیں ہے شیخ سے پوچھا جائے تو کب پیدا ہوا ہے جب وہ اقرار کرے تو جس سے وہ روایت کر رہا ہے اس کی وفات کو دیکھا جائے تو اس کا صدق کذب سے ظاہر ہو جائے گا۔"

اسی بنا پر محدثین نے راویوں کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کا اہتمام کیا ہے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تمیز ہو سکے امام سفیان ثوری فرماتے ہیں۔

لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ. (الكفايه ص ۱۱۹)

"جب راویوں نے جھوٹ سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے (ان کی پیدائش اور وفات کی) تاریخ کو استعمال کیا۔"

امام حفص بن غیاث نے تو کیا خوب بات کہی ہے کہ۔

اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين يعنى احسبوا سنه وسن من كتب عنه (الكفايه ص ۱۱۹)

"جب تم کسی راوی کو متہم خیال کرو تو اس کے سالوں کا حساب کرو یعنی اس کی عمر کو اور جس سے اس نے روایت لکھی ہے اس کی عمر شمار کرو۔"

جب ہم محدثین کے اس اصول کی روشنی میں اس مخطوطہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر نصف النہار کی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ من گھڑت ہے جس کے دلائل یہ ہیں اس مخطوطہ کی حدیث نمبر ۲ کی سند اس طرح ہے۔ عن ابن جریج قال اخبرنی البراء (ص ۵۵) یہ سند ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتی ہے کہ یہ مخطوطہ مصنوعی ہے اس لئے کہ جناب براء رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۲ھ میں ہوئی ہے (تقریب ص ۴۳) اور ابن جریج کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے (تہذیب ص ۴۰۵ ج ۶) اس سے واضح ہے کہ جناب براء، ابن جریج کی پیدائش سے آٹھ سال قبل فوت ہو چکے تھے تو کیا انہوں نے دوبارہ زندہ ہو کر ابن جریج کو اس حدیث کی خبر دی تھی محدثین کے اصول کے مطابق تو یہ سند من گھڑت ہے لیکن صوفیوں کے نزدیک سب کچھ ممکن ہے اس لئے کہ نظام تصوف میں فوت شدگان سے دنیاوی زندگی کی طرح استفادہ ممکن ہے جیسا کہ ان کی خرقہ کی کہانی ہے کہ مرید اپنے شیخ سے اس کی وفات سے سو برس بعد بھی خرقہ پہن لیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو دین تصوف بحث خرقہ صوفیاء طبع ساہیوال)

پھر یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہے اس لئے کہ محقق صاحب نے اس پر یوں تعلیق لکھی ہے کہ ابن جریج حافظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقة وكان يدلس فقد صرح هنا بالاخبار (ص ۵۵) ابن جریج حافظ ثقہ تھے جو تدلیس کرتے تھے لیکن اس جگہ انہوں نے (سماع) کی تصریح کی ہے۔ بلاشبہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ اس جزء کے من گھڑت ہونے کی کہانی ہے۔

من گھڑت ہونے کی تیسری دلیل

اس مخطوطہ کی حدیث نمبر ۲۴ کی سند اس طرح ہے عن ابن جریج عن الزہری انہ سمع عقبۃ بن عامر (ص ۸۴)

امام زہری نے عقبہ بن عامر سے سنا۔

حالانکہ زہری کا عقبہ بن عامر سے سماع ثابت نہیں اس کا اعتراف محقق صاحب کو بھی ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس جو کتب جرح وتعدیل موجود ہیں کسی ایک میں زہری کا عقبہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں زہری ۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور عقبہ خلافت معاویہ کے آخر ۶۰ھ میں فوت ہوئے عقبہ کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال بنتی ہے تو اس سے سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ زہری نے عقبہ سے سنا ہوگا اس لئے کہ علماء حدیث نے پانچ سال کی عمر کو سن تحمل قرار دیا ہے جیسا کہ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں زہری کا عقبہ سے سماع ثابت کیا ہے تو اس حساب سے سند صحیح ہوگی ورنہ منقطع ہے (ص ۸۵)

موصوف کا محض احتمال کے ساتھ سماع ثابت کرنا علمی دیانت اور امانت کے تقاضے پورے نہیں کرتا پھر جب خود اقرار کرتے ہیں کہ کتب جرح وتعدیل میں زہری کا عقبہ سے سماع کا کوئی ثبوت نہیں تو یہ سماع احتمال سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ موصوف کا احتمال بھی باطل ہے اس لئے کہ امام زہری کے سن ولادت میں چار قول ہیں ۵۰ھ ۵۱ھ ۵۶ھ اور ۵۸ھ (تہذیب ص ۴۵۰ ج ۹)

اور عقبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی ہے (سیر اعلام النبلاء ص ۱۶۹ ج ۲ و تہذیب ص ۲۴۳ ج ۷)

زہری کی ولادت اگر ۵۰ھ کو تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی ان کی جناب عقبہؓ سے ملاقات ممکن نہیں اس لئے کہ عقبہ کو امیر المؤمنین معاویہؓ نے اپنے دور میں ان کو ۴۴ھ میں مصر کا عامل مقرر کیا تھا اور یہ تین سال وہاں عامل رہے پھر ۴۷ھ کو معزول کر کے انہیں غزوہ روڈس میں بھیج دیا (پھر یہ تاحیات اسی علاقے میں رہے) اور ۵۸ھ کو مصر میں فوت ہو کر جبل مقطعم میں مدفون ہوئے (تہذیب ص ۲۴۲ ج ۷) اور یہ ثابت نہیں کہ موصوف ولایت مصر کے بعد اور غزوہ روڈس کے بعد پھر کبھی مدینہ منورہ آئے ہوں یا پھر امام زہری ۵۸ھ تک کے عرصہ میں کبھی مصر گئے ہوں کہ ان کی ملاقات جناب عقبہ سے ہو گئی ہو پھر کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب میں ایسی سند موجود نہیں کہ جس میں زہری نے سمعت عقبہ فرمایا ہو اس لئے کہ جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی تو وہ بھلا کیسے سمعت فرما سکتے تھے یہی وہ حقیقت ہے جس کا محقق صاحب نے بھی دبے الفاظ میں فہو منقطع کا اعتراف کیا ہے۔ کہ یہ منقطع ہے بات منقطع ہونے کی نہیں بلکہ دعوی سماع کی ہے جو اس جزء کے باطل ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

من گھڑت ہونے کی چوتھی دلیل

حدیث نمبر ۲۸ کی سند اس طرح ہے عبد الرزاق قال اخبرنی الزهری عن سفيان بن شبرمة (ص ۸۸)

''کہ امام عبد الرزاق فرماتے ہیں مجھے زہری نے خبر دی''

اس کے باطل ہونے کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں خود محقق صاحب کی تحقیق ہی اسے باطل قرار دیتی ہے چنانچہ امام زہری کے بارہ میں لکھتے ہیں ۱۲۵ھ کو فوت ہوئے (ص ۵۱) اور امام عبد الرزاق کے بارہ میں لکھتے ہیں ۱۲۶ھ کو صنعا میں پیدا ہوئے (ص ۲۳) گویا محقق صاحب کی تحقیق کے مطابق بھی امام زہری امام عبد الرزاق کی پیدائش سے ایک سال پہلے وفات پا چکے تھے تو امام عبد الرزاق نے زہری سے سماع ان کی وفات کے بعد کیا تھا؟ کلا انہ لباطل

پانچویں دلیل

حدیث نمبر ۳۰ کی سند اس طرح ہے عن الزهری عن ابن عيينة عن يزيد الرقاشی (ص ۸۹) ''زہری جو امام ابن عیینہ کے استاذ ہیں''

ناسخ نے سند کو الٹ کر دیا استاد کو شاگرد اور شاگرد کو استاد بنا دیا یہ سب حدیث میں کذب بیانی کے کرشمے ہیں حدیث رسول میں کاذب کا کذب چھپا نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالی اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اسے ظاہر کر دیتا ہے ہم نے تو صرف چند اسناد پر بحث کی ہے جن سے اس مخطوطہ کا من گھڑت ہونا لازم آتا ہے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو مزید عجائبات کا انکشاف ہو جائے گا۔

متن پر بحث

اگر اس کے متن پر غور کیا جائے تو اسناد سے بھی زیادہ شگوفے نظر آئیں گے دراصل اس جزء کو چند بدعتی مولویوں نے صرف ایک مسئلہ کے لئے وضع کیا ہے کہ ثابت کیا جا سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مجسم نور ہے جو اللہ تعالی کے نور سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ برصغیر کے اہل بدعت کا عقیدہ ہے ضمناً چند وضو کے مسائل بھی ذکر دیے ہیں جیسا کہ اس جزء کے محقق نے خود اعتراف کیا ہے کہ اصل کوشش تو حدیث جابر کی دستیابی کی تھی (مقدمہ ص ۶ و ۷)

قارئین کرام! اس جزء میں نور کے موضوع پر ایک مرفوع روایت ہے جو جناب جابر رضی اللہ عنہ کے نام کی طرف منسوب ہے اور ایک موقوف روایت ہے جو جناب سائب کے نام کی طرف منسوب ہے باقی چند آثار ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق رسول اکرم ﷺ کے حسن اور جمال سے ہے البتہ بعض میں نورانیت کا بھی شائبہ ہے لیکن وہ آثار فی الحال ہماری بحث سے خارج ہیں ان پر تفصیلی بحث ہم ایک مستقل کتاب میں کریں گے ان شاء اللہ جس میں اس مصنوعی مخطوطہ پر تفصیل سے بحث ہوگی۔

نورانیت کے متعلقہ دونوں روایتوں میں تعارض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے سائب کی روایت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

ان الله خلق شجرة ولها اربعه اغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد (حديث نمبر ١ ص ٥٢)

''اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو پیدا کیا جس کی چار شاخیں تھیں اس کا نام یقین کا درخت رکھا پھر نور محمد کو پیدا کیا۔''

اور دوسری روایت اس طرح ہے۔

سالت رسول الله ﷺ عن اول شئی خلقه الله تعالى فقال هو نور نبيك يا جابر خلقه ثم خلق فيه كل خير. (حدیث نمبر ۱۸ص ۶۴)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز پیدا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور میں ہر خیر کو پیدا کیا''

پہلی روایت بتاتی ہے کہ سب سے پہلے ایک درخت پیدا ہوا تھا اور اس کے بعد نور محمد کی تخلیق ہوئی ہے جبکہ دوسری روایت بتاتی ہے نور محمد کی تخلیق تمام اشیاء سے پہلے ہوئی ہے ان دونوں روایتوں میں تعارض واضح ہے یہ دونوں روایتیں عجائبات صوفیہ میں سے ہیں جنہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ کسی دشمن اسلام نے گہری سازش کے تحت انہیں گھڑا ہے اور مضمون کے لحاظ سے دیو مالا کہانیوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں جن کا وجود کتاب وسنت سے تو ممکن نہیں البتہ افسانوں میں ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا پھر روایت جابر کا متن پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئیں ہیں روایت نمبر ا بتاتی ہے کہ یہود ونصاری اور دیگر تمام کفار بھی رسول اللہ ﷺ کے نور سے ہی پیدا ہوئے ہیں اس جزء کی اشاعت کرنے والوں کو اب حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بشریت سے انکار کر کے نور ہونے کا اعلان کر دیں کیونکہ وہ بھی تو آخر ان روایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے نور سے بشر تو پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن اور احادیث متواترہ سے تعارض

بلاشبہ ان دونوں روایات کا متن جو تقریباً آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے صریحاً قرآن واحادیث متواترہ کے معارض ہے ائمہ کرام نے موضوع روایت کی ایک علامت یہ بھی ذکر کی ہے کہ وہ روایت قرآن کریم اور سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو (تدریب ص۱۵۰ ج ۱)

قرآن کریم کے متعدد نصوص احادیث متواترہ اور خیر القرون کے تمام مسلمانوں کا اجماع اسی پر تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس سے بداہتہ واضح ہے کہ یہ دونوں روایتیں من گھڑت ہیں۔

رکاکۃ الالفاظ

ان دونوں روایتوں کے من گھڑت ہونے کی ایک یہ بھی واضح دلیل ہے کہ یہ روایتیں رکیک الالفاظ ہیں۔ رکیک الفاظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ الفاظ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہوں یا الفاظ ایسے غیر مانوس ہوں کہ ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف غیر مناسب ہو ان دونوں روایات میں رکاکت الفاظ کی بھرمار ہے ان کا طویل متن ایک داستان کا عندیہ پیش کرتا ہے اور وہ گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ سے اس قسم کا کلام صادر نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اس جزء کے محقق صاحب کو بھی ان روایات میں الفاظ کے رکیک ہونے کا اعتراف ہے اسی لئے تو انہوں نے اپنے مقدمہ میں اس کے دفاع کی کوشش کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''ہمارے دور کے بعض محدثین نے حدیث جابر میں رکاکت الفاظ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے تو ہم کہتے ہیں متقدمین اور متاخرین نے اپنی کتابوں میں وضاحت کی ہے کہ حدیث کو صرف رکاکت الفاظ کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا'' پھر حافظ ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''صرف رکیک الفاظ روایت کے موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتے ہاں جب لفظ اور معنی میں رکاکت ہو تو وہ روایت موضوع ہوگی۔ (ص ۳۶ وص ۳۸)

موصوف نے ان روایات میں الفاظ کے رکیک ہونے کا انکار نہیں کیا آخر انکار کرتے کیسے جبکہ روایات رکاکت الفاظ کا ہی تو مجموعہ ہیں ہاں دفاع یہ کیا ہے کہ روایت کے موضوع ہونے کے لئے صرف الفاظ کی رکاکت کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ معنی کی رکاکت شامل نہ ہو راقم الحروف کہتا ہے۔ ان روایات میں جیسے الفاظ کی رکاکت کی کثرت ہے معنی میں وہ رکاکت اس سے بھی کئی گنا زیادہ موجود ہے۔ رہا موصوف کا یہ کہنا کہ ''متقدمین ائمہ الفاظ کی رکاکت کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں کہتے تھے۔'' حقائق کے منافی ہے۔ دکتور مصطفیٰ سباعی نے متن کے موضوع ہونے کی علامات میں سے پہلی علامت رکاکۃ اللفظ کو قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے: یہ تب ہے جب یہ کہا جائے بانه من لفظ النبی ﷺ اور ابن دقیق العید سے نقل کیا ہے كثيرا ما يحكمون بذالك اى بالوضع باعتبار ترجع الى المروى وحامله انهم لكثرة محارستهم لالفاظ الحديث حصلت لهم هيئة نفسانية والملكة قوية يوفون بها ما يجوز ان يكون من الفاظ النبى وما لا يجوز (صفحہ ۹۸)

محدثین بہت دفعہ وضع حدیث کا فیصلہ مروی (متن) کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ حدیث کی ممارست کی کثرت کی بنا پر ان میں ایک نفسیاتی کیفیت اور قوی ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ یہ شناخت کر لیتے ہیں کہ کون سے الفاظ نبی کریم ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ وسلم کے ہو سکتے ہیں اور کون سے آپ کے نہیں ہو سکتے اور معنی کا فساد ایک مستقل علامت ہے۔ نیز حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

فقد وضعت احادیث طویلة یشهد بوضعها رکاکة الفاظها و معانیها (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۷)

''لمبی لمبی روایتیں وضع کی گئیں جن کے الفاظ اور معانی کی رکاکت ان کے من گھڑت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔''

اور یہی بات بعینہٖ امام نووی نے تقریب مع التھذیب ص ۱۴۹ ج ۱ میں اور حافظ عراقی نے الفیہ مع فتح الباقی ص ۲۲۵ میں اور اس کے قریب قریب علامہ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات ج ۱ میں فرمائی ہے۔ جس سے واضح ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں رکاکت الفاظ اور معانی کی وجہ سے من گھڑت ہیں الغرض یہ حقیقت ہے اس نام نہاد جزء مفقود کی کہ جس کے من گھڑت ہونے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی دستیابی کی کہانی اسناد میں کذب بیانی اور متن میں افسانوی انداز اس کے من گھڑت ہونے پر شاہد عدل ہیں جو اس بات کا جلی حروف میں اعلان ہے کہ امام عبد الرزاق کا اس جزء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ اس کی تالیف سے بالکل بری ہیں یہ تو چند اہل بدعت صوفیوں کی کارستانی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک باطل نظریہ جو قرآن کریم اور احادیث متواترہ کے نصوص کے صریحاً خلاف ہے کو ثابت کرنے کے لئے حدیث متواتر ''من کذب علی متعمدا'' کو پس پشت ڈال کر مذکورہ روایات کے وضع کرنے کا دھندہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ فلسفہ معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عائشہؓ کی ہے ہر دو روایتوں کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی روایت۔ **ان معاویةؓ بن سفیان کان اذا سئل عن سری رسول اللہ ﷺ قال کانت رویا من اللہ** حضرت معاویہؓ معراج کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ ایک سچا خواب تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ **ما فقد جسد رسول اللہ ﷺ ولکن اسری بروحه** کہ حضور ﷺ کا جسد مبارک کہیں نہیں گیا لیکن آپؐ کو روحانی سیر کرائی گئی ہے۔ بوجوہات ذیل ہر دو روایتوں سے معراج جسمانی کے خلاف استدلال غلط ہے (۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کا راوی مجہول ہے اور حضرت معاویہؓ کی روایت منقطع ہے مجہول کی روایت اور منقطع روایت ضعیف ہوتی ہیں۔ ضعیف روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی (۲) ان روایتوں سے معراج جسمانی کے خلاف استدلال قرآن مجید کے ظاہر سیاق کے خلاف پڑتا ہے نیز ان احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے جن میں جسمانی معراج کا ثبوت ہے (۳) احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو معراج جسمانی سے پہلے متعدد روحانی معراج ہوئے ہیں حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں جو تذکرہ ہے وہ ان روحانی معراج کے متعلق ہو سکتا ہے اس لئے اس تذکرہ میں یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔

ایک شبہ کا ازالہ: معراج جسمانی کی بعض روایتوں میں اس قسم کے الفاظ ہیں جن سے معراج روحانی کا شبہ پڑتا ہے مثلاً حضورؐ نے فرمایا کہ میری آنکھ کھلی تو میں بستر پر تھا میں بیدار ہوا تو مسجد الحرام میں تھا حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے الفاظ معراج جسمانی کے منافی نہیں ممکن ہے کہ واپسی کے وقت حضور اکرم ﷺ کو راستے میں نیند آ گئی (فتح الباری)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حقیقت معراج سمجھنے کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کا روشن پہلو

عبدالرحمن عزیز

میں ایک بیمار عورت دیکھنے جایا کرتا تھا اس کے کمرے میں ایک گلاب کا پودا لگا ہوا تھا جو دریچے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ صرف پودے میں ایک پھول لگا ہوا ہے۔ اور اس کا رخ روشنی کیطرف تھا۔ جب میں نے اس کے متعلق پوچھا تو بیمار عورت نے مجھے بتایا کہ اس کی بیٹی نے کئی مرتبہ اس کا رخ اندھیرے (اندر) کی طرف کرنا چاہا مگر ہر دفعہ پھول پھر کر روشنی کی طرف ہو گا گویا پھول کو اندھیرے سے نفرت ہے۔ اس پھول نے مجھے یہ سبق سکھایا کہ تاریکی کی طرف رخ نہ کریں بلکہ ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو کو مد نظر رکھیں۔

(معاشرت نبوی اور جدید سائنس ص 40)

دنیا میں رونما ہونے والے ہر واقعے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ تاریک پہلو اور روشن پہلو اگر آپ زندگی میں فتح مندی کے آرزو مند ہیں اور آسودگی کے بھرپور زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کیلئے بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ پر عزم، خوش مزاج، اور ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو پر نظر رکھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com